

بے خود دہلوی: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ  
*Bēkhūd Dehlavī: A Research and Critical Study*

Dr. Zahira Nisar

*Dr. Zahira Nisar, Senior Editor cum Assistant Professor,  
Department of Urdu Encyclopedia of Islam, Allama Iqbal Campus,  
University of the Punjab Lahore*

**Abstract**

Bēkhūd was a famous classical poet of Dehlī. He considered amongst the most famous disciples of Dāgh Dehlavī. Although his poetic impression represents Dahg's poetic skills but he also gained excellency in representing Urdu Ghazal. He wrote Ghazals, panegyrics, Quatrains and other genres of poetry but his Dīwāns (Guftār-e-Bēkhūd and Durr-e-Shahwār) mostly based on Ghazals. His poetic expression is so simple and appealing that no one can deny his Poetic skills. In prose his *Mirat-ul-Ghalib* and *Nang-o-Namoos* (novel) are also considered milestone in his writings.

**Key Words:** Aālamgīr Sānī, Molana Hālī Nawāb Mirza Dāgh, Waheed-ul-Asr, Diciples

تمہید

بے خود دہلوی کا شمار نام ور کلاسیکی دہلوی شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ داغ کے اہم ترین تلامذہ میں شامل ہیں۔ اگرچہ اُن کا رنگِ سخن، طرزِ داغ کا عکاس ہے تاہم وہ کلاسیکی غزل گوئی میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے غزلیات، قصائد، رباعیات، قطعات اور دیگر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے، تاہم اُن کے دونوں دواوین ”گفتار بے خود“ اور ”دہ شہوار“ کا بیش تر کلام کلاسیکی غزلیات پر مشتمل ہے۔ اُن کا طرزِ سخن اتنا سادہ اور متاثر کن ہے کہ کوئی بھی اُن کی مہارتِ شعری کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ شرح کلام غالب ”مراۃ الغالب“ اور ایک ناول ”ننگ و ناموس“ انھیں نثر میں باوقار بناتے ہیں۔

تولد و مقام پیدائش

بے خود دہلوی ۳۱ رمضان المبارک بہ روز اتوار ۱۲۷۹ھ بہ مطابق ۱۸۵۸ء راجستھان کے ایک شہر بھرت پور میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے آباء و اجداد ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ ان کا پورا نام وحید الدین احمد تھا۔ ان کا شجرہ نسب بائیسویں پشت پر شیخ

عبدالقادر جیلانی سے جاملتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ سے بھی آپ کی خاندانی نسبت تھی<sup>1</sup> پیدائش کے دو ماہ بعد دہلی لائے گئے۔ اُن کے والد شمس الدین احمد عرف سید احمد سالم تخلص کرتے تھے۔ اُن کے دادا سید بدرالدین احمد سالک و کاشف شاگردِ غالب کے طور پر معروف تھے۔ اُن کے پردادا نواب سید احمد میر خاں عالم گیر ثانی کے وزیر تھے اور امتیاز الدولہ، افتخار الملک بہادر منصور جنگ کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ منشی محمد کرم اللہ خاں عرف ننھے خاں شیدا اُن کے ماموں تھے۔ مفتی صدرالدین آزرہ اُن کی والدہ کے پھوپھا تھے۔ ان کے دو چچا سید عظیم الدین عرف موزوں اور فرد بھی شاعر تھے۔ گویا بے خود کو اپنے گھر یلو ماحول کے سبب شعر و شاعری کا شغف ہوا۔

### تحصیل علم

اولاً آپ نے رواج اسلامی کے مطابق کلام پاک کی تعلیم حاصل کی بعد ازاں فارسی سیکھی۔ مولانا حالی سے مہر نیم روز اور استاد شعراء کے دو اوین سبقاً سبقاً پڑھے۔ فن عروض سیکھا اور ابتدائی کلام پر اصلاح لی۔ وہ بارہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کر چکے تھے اور نادر تخلص کرتے تھے۔ حالی کے علی گڑھ منتقل ہونے اور انھی کے ایماء پر آپ ۱۳۰۹ھ میں شاگرد داغ ہوئے اور چھ ماہ حیدر آباد میں استاد کے خدمت گزار رہے، بعد ازاں دہلی آگئے۔ چند سال کی محنت سے ہی اُن کی شاعری میں رنگِ استاد چھلکنے لگا۔ اسعد بدایونی لکھتے ہیں:

”... چند سال کی محنت میں استاد کارنگ حاصل کر لیا اور ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہونے لگا“<sup>2</sup>

بے خود کا پہلا شعر یہ ہے:

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا  
تیر نگاہ یار کدھر سے نکل گیا

### مشاغل

بے خود فن سپہ گری سے واقفیت رکھتے تھے۔ سیر و شکار کے شوقین تھے۔ کشتی بھی لڑتے تھے۔ پہلوانی و شہ سواری کے علاوہ وہ پیراکی، پتنگ بازی، کبوتر بازی اور شکار کے بے حد شوقین تھے۔ درس و تدریس سے وابستگی ان کے علمی ذوق کی تسکین کا سبب تھی۔ بتیس برس انگریزوں کو اردو اور فارسی کی تعلیم دی۔ بے خود مدد ہی لحاظ سے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ اوردو وظائف، چلہ کشی میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک سے حاجت مندوں کا روحانی علاج کرتے تھے۔

### شخصی اوصاف

دیگر مذاہب کے لوگوں کا احترام کرنے کے باوصف ان کی شخصیت میں خلوص، رواداری، انسان دوستی اور وسیع المشرتی کے اوصاف نمایاں تھے۔ لالہ سری رام، پنڈت امر ناتھ ساہر دہلوی، پنڈت تر بھون ناتھ بھجر، زار دہلوی، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، لالہ ملاپ چند جوہری، لالہ شکر لال جیسے اصحاب اُن کی وضع داری کے معترف تھے۔ بے خود حاضر جواب اور بلا کے ذہین انسان تھے۔ اُن کے ادبی معرکے بے حد مشہور ہیں۔ اہل دہلی اور غیر دہلی اصحاب کے مابین مباحثوں میں وہ پیش پیش رہتے تھے۔ ایک جانب نواب سائل سے کشیدہ تعلقات تھے تو دوسری جانب وہ سائل کے صاحب زادے کے استاد بھی تھے۔ سائل سے تعلقات میں کشیدگی کا سبب جانشینی داغ کا مسئلہ تھا۔ سائل بے خود کے مابین تناؤ اور دیگر واقعات کے ضمن میں شاہد احمد دہلوی لکھتے ہیں:

..... نواب سراج الدین سائل کو اگر یہ زعم تھا کہ میں داغ کا داماد ہوں تو انھیں اس کا گھمنڈ تھا کہ میں استاد کا چہیتا شاگرد ہوں اور استاد نے اپنے شاگردوں کے چاروں رجسٹر میرے سپرد کر رکھے تھے۔ سائل صاحب سے ان کی کبھی نہ بنی۔ ابد اکر انھیں نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ دلی کے مشاعروں میں دونوں استادوں کے شاگردوں میں آئے دن جھگڑے ہوتے اور مار پیٹ تک نوبت پہنچتی۔ اس بے ہودگی کی وجہ سے صرف ایک رنے مشاعرے رہ گئے تھے اور بھلے آدمیوں نے مشاعروں میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ مگر یہ عجیب طرح کی خاصیت تھی۔ شاعری سے قطع نظر دونوں استادوں میں خلوص و محبت کے تعلقات تھے۔ نواب سائل نے اپنے بیٹے کو تاکید کر رکھی تھی کہ بے خود صاحب سے اصلاح لیا کرو۔<sup>3</sup>

### فن شاعری اور مشاعروں میں شرکت

بے خود اپنے زمانے کے ممتاز شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ دلی اور دیگر شہروں کے اہم مشاعروں میں ان کی شرکت باعث افتخار سمجھی جاتی تھی۔ وہ اپنا کلام تحت اللفظ سے پڑھتے تھے۔ متاثر کن اور دل کش تحت اللفظ کے سبب وہ مشاعروں میں کامیاب ٹھہرتے تھے۔ اپنی ذہانت و فطانت کے باعث انھوں نے فن شعر پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ داغ نے انھیں عاری از اصلاح قرار دے دیا:

..... مرزا داغ، بے خود صاحب سے اس قدر مطمئن اور خوش تھے کہ ان کی زبان کو اپنی زبان کہا کرتے تھے اور اسی جذبے کے تحت انھوں نے بے خود صاحب کو وحید العصر کا خطاب دیا تھا، بے خود صاحب نے کہا ہے۔

زباں استاد کی بے خود ترے حصے میں آئی ہے

پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دم کو<sup>4</sup>

داغ کے نزدیک کلام بے خود گونا گوں خصائص کا حامل ہے لیکن بے خود کو اس کی قدر نہیں۔ انشائے داغ میں بے خود کے نام داغ کے 9 خطوط شامل ہیں۔ یہ خطوط بے تکلفی، بے خود کی قادر الکلامی، فن شعر پر دست رس اور دیگر شخصی خصائص کے آئینہ دار ہیں۔ چند امثلاً درج ذیل ہیں: ”..... اور غزلوں کے اشعار مجھ کو پسند آئے، پہلی غزل بے مثل ہے جس کی نقل میں نے لی۔ آپ کو اس کی قدر نہیں“<sup>5</sup>

”واہ میر صاحب! کیا خوب غزلیں کہی ہیں نہایت جی خوش ہو خود یہاں حاضر ہو کر ہم کو مبارک باد دو.....“<sup>6</sup> ”..... آپ کی سب غزلیں خوب ہیں۔ کس کس پر صاد کروں...“<sup>7</sup> ”گلدستہ زبان اردو جو رسا نے نکالا ہے اس کو رونق کلام سے دو کہ زبان دہلی ختم ہوئی جاتی ہے.....“<sup>8</sup>

### جانشین داغ

داغ، بے خود کی سخن گوئی کے بے حد مداح تھے، چنانچہ ان کے انتقال کے موقع پر مرزا خورشید جاہ نے بے خود کو جانشین کی پگڑی باندھتے ہوئے کہا کہ ”خود استاد نے وصیت بھی بیخودین کے حق میں کی تھی۔“<sup>9</sup> بے خود نے دیوان غالب کی شرح بھی لکھی۔ انھوں نے بچپن میں غالب کو دیکھا تھا۔ شاید یہی سبب ہے کہ دل سی والوں میں انھیں زبان اور محاورے کی سند سمجھا جاتا تھا:

”..... استاد داغ کے صدہا شاگردوں میں وحید العصر کہلائے جانے والے منشی سید وحید الدین بے خود دہلوی صرف نام کی مناسبت سے نہیں بلکہ صحیح معنوں میں وحید العصر تھے..... روزانہ غزل کہہ کر پھاڑ دینے والے بے خود کو استاد داغ شاعری کے سمندر میں اور تیرنا کیا سکھاتے چناں چہ تین ماہ ہی میں فارغ الاصلاح قرار دے دیا.....“<sup>10</sup>

حلیہ

شاہد احمد دہلوی نے بے خود کا حلیہ درج ذیل انداز میں بیان کیا ہے، جس سے ان کی شخصیت کے جملہ خصائص نظروں کے سامنے پھر جاتے ہیں:

”..... بے خود صاحب اُس وقت اسی سے اوپر ہو چکے تھے۔ ہاتھوں میں ریشہ آگیا تھا۔ چہرہ چُر مُرا کر رہ گیا تھا۔ رنگ گھٹا ہو اگندمی، سفید براق سرسیدی ڈاڑھی، لمبیں ترشی ہوئیں۔ اتنی عمر ہونے پر خاصے ٹائٹے تھے اور سیدھے چلتے تھے۔ بتیسی پوری نقلی چڑھائی ہوئی تھی۔ جس کا تالو اکثر ڈھیلا ہو جاتا اور بات کرنے میں پورا جباڑا نیچے آ رہتا پھر اُسے چبا کر ٹھیک کرتے تو بات کرتے لہجہ خالص دلی والوں کا تھا۔ تکلف سے بری اور آواز اونچی اور کراری تھی.....“<sup>11</sup>

مشاعروں میں شرکت

بے خود نے اپنے دور کے اساتذہ اور ہم عصروں کے سامنے اپنا کلام پڑھ کر دادِ تحسین حاصل کی۔ وہ اندرون و بیرون دلی میں منعقدہ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ مشاعروں میں اُن کی شرکت، مشاعرے کی کامیابی سے منسوب تھی۔ اپنی طبع نازک اور احباب سے مخالفت کے پیش نظر بسا اوقات مشاعروں میں دل چسپ واقعات بھی رونما ہو جاتے۔ ایک مرتبہ دلی کی ہارڈنگ لاہور میں منعقدہ ایک مشاعرے میں بے خود اور ثاقب لکھنوی مدعو تھے۔ آخر میں یہ دونوں صاحب ہی سخن گوئی کے لیے نچ رہے۔ صدر مشاعرہ نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر اعلان کیا کہ دونوں میں سے جو صاحب چاہیں پہلے کلام پڑھ لیں۔ دونوں بزرگ ایک دوسرے پر تقدم چاہتے تھے۔ چناں چہ بے خود نے یہ کہہ کر اپنا کلام پڑھنا شروع کیا کہ ”آپ ہمارے مہمان ہیں اس لیے پہلے میں پڑھوں گا، میرے بعد آپ پڑھیں گے۔“<sup>12</sup>

”..... بے خود صاحب کا تحت اللفظ پڑھنے کا انداز کچھ ایسا دل کش اور متاثر کرنے والا ہوتا تھا کہ اُس پر ہزار ترنم قربان کیے جاسکتے تھے۔ وہ شعر پڑھتے وقت لفظوں کو اس خوبی سے ادا کیا کرتے تھے کہ زبان کا لطف آجاتا تھا اور ہر لفظ کے معنی دل نشین ہو جاتے تھے.....“<sup>13</sup>

بذلہ سنجی و حاضر جوابی

بے خود کے ادبی معرکے اور خوش مذاقی کے قصے بے حد مشہور ہیں۔ شعر و سخن کے مباحثوں میں وہ حاضر جواب مشہور تھے۔ کسی نے انھیں اپنا کلام اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ زبان کی سند کے لیے دہلوی ہونا ضروری نہیں اور غیر دلی ہونے کے باوجود دلی کے زبان و بیان کی سب خوبیاں اس کے کلام سے آشکار ہیں۔ استاد بے خود کا جواب ملاحظہ کیجیے:

”میر نے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر زبان سیکھی، دلی سے لکھنوتک دہلوی زبان کی حفاظت کی۔ ذوق نے دکن کی قدر سخن کے مقابلے میں دلی کی گلیوں کو مرتے دم تک اس لیے نہیں چھوڑا کہ

کہیں زبان نہ بگڑ جائے۔ غالب قحطِ غم الفت کے باوجود اس معمورے میں یوں آباد رہے کہ زبان برباد نہ ہونے پائے۔ اس لیے اگر دہلوی زبان میں شعر کہنے ہیں تو قلعہ دلی کی ہوا کھانی ہوگی، جامع مسجد کا طواف کرنا ہوگا اور اردو بازار کی خاک چاٹنی ہوگی<sup>14</sup>۔

### تلامذہ

بے خود کے ہندو و مسلمان تلامذہ کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے جن میں سے بیش تر صاحب دیوان ہیں۔ شاگردوں میں سے نواب قطب الدین احمد فصیح، صابر دہلوی، ابن سائل اور عاصی نظامی وغیرہ پاکستان منتقل ہو گئے۔ آغا حیدر حسن قدر دہلوی حیدر آباد دکن میں مقیم ہوئے۔ لالہ پٹالال جوہری، لالہ شکر لال شکر، لالہ مرلی دھر شاد، کیلاشی رام شرر، یکتا دہلوی، سید محی الدین سید (چغری) ابن بے خود، تائب دہلوی، ڈاکٹر مبین احمد سرشار دہلوی، فضل الہی محمود دہلوی، استاد رفیق احمد رسا دہلوی، اختر ہاشمی اور دیگر شاگرد بے خود کی زندگی میں دہلی میں ہی تھے۔ قیصر، قمر، مسرور، خاور، ناقد، میکش اور بشیر سبھی ان کے نمایاں تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بعد از تقسیم ہند شکر و شاد ان کے مالی خدمت گزار بھی رہے۔ وہ ان دونوں شاگردوں کی نیاز مندی کے قائل تھے۔ درج ذیل اشعار کی صورت میں انھوں نے اپنے عزیز شاگردوں کی نیاز مندی کو خراج تحسین پیش کیا ہے:

ہم جانتے ہیں بیتاب ہیں سارے شاگرد  
اللہ نے بخشے ہیں یہ پیارے شاگرد  
جس طرح سے ہم داغ کے شیدائی تھے  
عاشق ہیں اسی طرح ہمارے شاگرد  
قیصر ہو قمر ہو یا اس میں مسرور  
میکش ہو، بشیر ہو کہ دونوں محمود  
خاور سہی، ناقد سہی یا قدر سہی

دم بھر نہ رہے گامرے دل سے کوئی دور<sup>15</sup>

شاگرد بنانے کے ضمن میں بے خود شاگرد سے علمیت، حفظ کلام اساتذہ، زبان و محاورہ اور دست رس عروض، عرصہ مشق سخن اور فکر و فن پر گہری نظر جیسے چند سوال کرتے اور بعد از اطمینان شیرینی سے شاگرد کا منہ میٹھا کرتے، اس کا تازہ کلام سنتے اور مناسب اصلاح دیتے۔ خلاف مزاج اور خلاف زبان و ادب وہ کوئی بات نہیں سنتے تھے۔ زبان و بیان کے معاملے میں وہ داغ سے بھی الجھ جاتے تھے۔

### اولاد

بے خود کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے۔ تین صاحب زادیاں اور ایک صاحب زادہ سید محی الدین عرف چغری سید۔ سید شاگرد بے خود تھے۔ والد کے انتقال کے بعد پاکستان آ گئے اور دلی کلاتھ مل (لائل پور) میں ملازم ہوئے۔ پاکستان ہی میں وفات پائی۔ بعد از تقسیم ہند ان کی تینوں صاحب زادیاں بھی پاکستان آ گئی تھیں۔

### وفات

بے خود تقسیم ہند کے بعد بھی دہلی ہی میں مقیم رہے۔ ذرائع آمدن محدود تھی۔ وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۳ء تک اُن کا وظیفہ مقرر کیے رکھا۔ مرکزی وزارت تعلیم سے بھی ان کے لیے وظیفہ مقرر ہوا لیکن زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔ لہذا اُن کے آسودہ حال شاگردوں شکر اور شاد نے مالی مدد سے استاد کی آبرو بچائے رکھی۔ آخری عمر میں مشاعروں میں شرکت نہ ہونے کے برابر گئی تھی۔ زیادہ وقت مطالعہ اور شعر گوئی میں بسر ہوتا۔ ضعیف العمری اور خوش خوراک کے سبب بد پرہیزی آئے دن کی بیماریوں کا سبب بنی۔ چنانچہ اسہال کے مرض میں مبتلا ہوئے اور ۲ اپریل ۱۹۵۵ء کو ۹۷ برس کی عمر میں انتقال کر گئے اور درگاہ خواجہ باقی باللہ دہلی میں مدفون ہوئے:

”اس طرح داغ کا جانشین، قدیم تہذیب و شائستگی کا علم بردار اور دہلی کی نکسالی زبان کا آخری

تاج دار سخن دنیائے ادب سے رخصت ہوا.....“

زندہ تھا بے خود کے دم سے نام داغ و میر کا

آج رخصت ہو گیا وہ خانماں برباد بھی<sup>16</sup>

### علمی و ادبی خدمات

بے خود تمام عمر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ اپنے دور کے مؤقر جرائد میں چھپنے کے ساتھ ساتھ اُن کی زندگی میں ہی ”گفتار بے خود“، ”در شہوار بے خود“، ”مراۃ الغالب“ اور ”نگ و ناموس“ جیسی اہم تخلیقات شائع ہو چکی تھیں۔

۱۔ گفتار بے خود (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

بے خود کا پہلا دیوان ۱۳۲۳ھ میں پہلی بار شائع ہوا۔ ”گفتار بے خود“ کے تاریخی نام سے ۱۳۲۳ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں ان کے دیوان کا پہلا ایڈیشن ہاتھ ختم ہو گیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۶ھ میں لالہ مرلی شاد کی تحریک پر اضافہ کلام کے ساتھ شائع ہوا۔ مرلی دھر شاد نے مقدمہ میخانہ بے خود میں اظہار خیال کیا ہے۔ دیوان کے آخر میں احقر، ظفر، مولوی سید احمد دہلوی، خواجہ حسن نظامی، عطا اور شبیر کی منظوم و منثور تقریظیں شامل ہیں۔ آغاز دیوان پر نیا کلام کے عنوان سے ۲۰ صفحات پر کچھ غزلیات شامل کی گئی ہیں۔ بعد ازاں حمد و نعت ردیف وار غزلیات درج ہیں۔ آخر میں محسنات، رباعیات و قطعات، منظوم تقریظیں، سہرے اور قصیدے شامل ہیں۔

ب۔ در شہوار (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء)

بے خود کا دوسرا دیوان در شہوار تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۳۸ھ تاریخ تکمیل مجموعہ کلام برآمد ہوتی ہے۔ تاہم یہ دیوان ۱۳۴۹ھ میں شائع ہوا۔ منتظر امر و ہوی کے قطعہ تاریخ کے آخری شعر سے ہجری و عیسوی سنین اشاعت برآمد ہوتے ہیں:

لکھی یہ منتظر نے اس کی تاریخ

چھپا بے خود در شہوار بے مثل

۱۳۴۹ھ-۱۳-۵۸۲-۱۹۳۱ء<sup>17</sup>

حافظ محمد رحمت بلند شہری امام جامع مسجد بلند شہر نے بھی بے خود کے دوسرے دیوان کے ہجری و عیسوی قطعہ تاریخ کہے ہیں:

کہو یہ مصرعہ تاریخ ہجری اے رحمت

کلام شاعر شیریں زباں چھپا ہے کیا

۱۳۳۹ھ

مصرع سال عیسوی رحمت سہمی کہہ دیجیے  
جانچ ہمد داغ و بے خود کی زباں یہ ایک ہے

۱۹۳۰ء<sup>18</sup>

حمد و نعت سے آغاز دیوان کے بعد غزلیات، مخمس، قصائد، چادر، جھولا، سہرے، سلام اور رباعیات درج ہیں۔ متفرق اشعار بھی ردیف وار درج ہیں۔ خاتمہ دیوان منظوم قطعات تاریخ پر ہوا ہے۔

### ج۔ مرآة الغالب (۱۹۳۴ء)

آغا طاہر خمیرہ مولانا محمد حسین آزاد کی فرمائش پر بے خود نے مرآة الغالب کے عنوان سے دیوان غالب کی شرح لکھی ہے۔ قبل ازین نظم طباطبائی، حسرت موہانی، نظامی بدایونی اور جوش ملیح آبادی نے بھی شرح دیوان غالب پر خامہ فرسائی کی تھی۔ تاہم بے خود کی یہ شرح اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ وہ غالب اور کلام غالب کا جو حسن فہم اور سلیقہ رکھتے تھے وہ انھیں سے خاص تھا۔ نیز ان کی یہ شرح دہلی کی نکلالی زبان اور دہلوی انداز بیان کی آئینہ دار ہے۔ آغا طاہر لکھتے ہیں:

”حضرت بے خود کی شرح زیادہ تر اسی خیال سے چھپوائی گئی ہے کہ شاعرانہ ترکیبیں، زبان

کے نکتے، دلی والوں کا خاص طرز ادا، عشقیہ جذبات، سب عام فہم ہو جائیں۔“<sup>19</sup>

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۲ مارچ ۱۹۳۴ء کو جب کہ اس کتاب کے کل چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۵۵ء میں تاج پریس سے عثمانیہ بک ڈپو کلکتہ نے شائع کیا۔

### د۔ ننگ و ناموس (۱۸۹۹ء)

شاعری کے ساتھ ساتھ بے خود نثر نگاری کے بھی شوقین تھے۔ فکشن سے انھیں لگاؤ تھا۔ شاہد احمد دہلوی نے وصی اشرف سے مستعار کتب بینی میں بے خود کی ناولوں کی جانب از حد دل چسپی کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایک روز میں اچھے سے اچھا اور گھٹیا سے گھٹیا ناول پڑھ لیتے تھے۔ یہ کثرت مطالعہ کا ہی نتیجہ تھا کہ جب شرنے بدر النساء کی مصیبت میں پردے کی خرابیاں بیان کیں تو بے خود نے ننگ و ناموس میں پردے کی خوبیوں اور بے پردگی کی خرابیوں کو موضوع بنایا۔ یہ ناول مطبع نامی مجتہدی دہلی سے ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ جب کہ لالہ مرلی دھر شاد کے مطابق شاہجہان آباد (دہلی) سے قسط وار شائع ہوا۔ رسالہ بند ہونے پر یہ قسط وار سلسلہ موقوف ہو گیا۔<sup>20</sup> ابو الحامد، حسینہ بیگم، زمان خان اور ظفر یاب خان ناول کے جان دار کرداروں میں شامل ہیں۔ موجودہ دور میں یہ ناول محض تاریخی دور کی بازگشت دکھائی دیتا ہے۔ روزمرہ و محاورہ اور دہلی کی نکلالی زبان ناول کے لسانی مطالعے کے لحاظ سے اہم ہے۔ متعین موضوع کے سبب اس کا شمار مقصدی ناولوں میں ہوتا ہے۔

### محاسن شعری

کلام بے خود کے شعری محاسن میں کلاسیکی رنگ سخن نمایاں ہے۔ اُن کے کلام میں کلاسیکی شعری روایت کے جملہ عناصر اپنی چکا چوند دکھاتے ہیں۔ وہ حسن و عشق، بے ثباتی دنیا، استغنا، رواداری، خودداری، شرف انسانی، صداقت، مساوات، خمریات، شوخی و ظرافت اور نزاکت بیان جیسے متعدد پیرایہ اظہار کو دہلی کی نکلالی زبان میں پیش کرنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔ ان کی شاعری غم دوراں و غم جاناں کی بہترین عکاس ہے۔ پھر وہ فارسی تراکیب، تشبیہات و استعارات سے اپنے کلام کو مملو کرتے ہیں۔ ان کے

ہاں دقیق الفاظ، دور از کار خیالات، کی پیش کش مفقود ہے۔ کثرتِ ضائع بدائع اور مرصع سازی جیسے عناصر بھی ان کے کلام سے کوسوں دور ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سادگی و پرکاری کے عناصر ان کے کلام کا جوہر ٹھہرتے ہیں۔ انھوں نے مومن کی مضمون آفرینی، داغ کی زبان و بیان اور غالب کے انداز بیان کو اپنے شعرا میں عملاً پیش نظر رکھا ہے۔ مومن، داغ، اور غالب کی تقلید اس حد تک ملتی ہے کہ انھوں نے ان استاد شعراء کی زمینوں میں طبع آزمائی بھی ہے۔ مذکورہ تینوں اساتذہ کو انھوں نے درج ذیل انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

زباں استاد کی بے خود تو ہو مضمون مومن کا

بیاں غالب کا ہو، اشعار کی یہ شان پیدا کر

بے خود کی شعری دست رس پر لالہ سری رام لکھتے ہیں:

”..... داغ مرحوم کے شاگردِ رشید ہیں۔ طبع سلیم و ذہن رسا کی مدد سے جلد اس میدان کے

پورے شہ سوار بن گئے..... حضرت داغ ان کی زبان دانی اور مہارتِ فن کا خود اپنے سرٹیفکیٹ

[سرٹیفکیٹ] میں اعتراف فرماتے ہیں۔ فصاحتِ روزمرہ کے ساتھ خیال بندی کی طرف زیادہ میلان

ہے۔ داغ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی شاعری اور زبان دانی میرے قابلِ اطمینان ہے۔ اصنافِ کلام پر

بفضلہ تعالیٰ قدرت رکھتے ہیں۔ داغ کی زبان ان کی زبان ہے..... بڑے خلیق، ملنسار، زندہ دل، پابند و وضع

شخص ہیں۔“<sup>21</sup>

عبدالسلام ندوی نے بھی کلام بے خود کے رنگِ داغ سے آمیز ہونے کا عندیہ دیا ہے۔<sup>22</sup> گفتار بے خود اور درِ شہوار کا پیش تر کلام

غزلیات پر مشتمل ہے۔ غزل گوئی میں ان کے فنی جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ دلی کی ٹکسالی زبان، محاورات، روزمرہ اور

ضرب الامثال ان کی شاعری میں جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔

حسن و عشق

کلاسیکی شعری روایت کا صفِ اول موضوع حسن و عشق ہے۔ بے خود کے ہاں عاشقانہ خیالات کی شدت ملتی ہے۔ ان کے ہاں

حسن و عشق دونوں موضوعات لازم و ملزوم دکھائی دیتے ہیں۔ وہ حسن کے شیدائی اور عشق میں سر تا پا ڈوبے نظر آتے ہیں۔ ان

کے کلام میں حسن و عشق، خلوص و صداقت کا آئینہ دار اور ان کے عشقیہ تجربات کا عکاس ہے۔

عشق کی شرح میں داخل ہے غلامی کا بیاں

ان کے ہر حکم کو میں اپنی تمنا سمجھا

اثرِ حسن کہوں یا کششِ عشق اسے

میں تماشا ئی تھا وہ مجھ کو تماشا سمجھا

-----

رسوائے عشق ہوں ہمیں ارمان ہی رہا

بدنامیوں کی پوٹ گر بیان ہی رہا

سوداے عشق کم نہ ہوا جلوہ دیکھ کر

میں خلد میں بھی چاک گریبان ہی رہا

-----

عشق کی تکمیل بھی اک معجزہ ہے عشق کا  
ہجر کی بے چینیاں سب راحتِ جاں ہو گئیں  
حضرت غالب کا مصرعہ وردِ لب بے خود کے ہے  
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں<sup>23</sup>

### متصوفانہ عناصر

بے خود فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ مذہبی رواداری، انسان دوستی اور خوش خلقی جیسی اہم صفات اُن کی گھٹی میں پڑی تھیں۔ وہ بے ثباتی دنیا اور انسان کے مجبور و مختار ہونے جیسے مسائل پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ استغنا و خود داری اُن کے کلام کو عملی تصوف کے قریب لاکھڑا کرتی ہے۔ نظیر لدھیانوی لکھتے ہیں: ”آپ کے کلام میں سوز و گداز ہے۔ طبیعت تصوف کی طرف مائل ہے..... زبان سلیسا و عام فہم ہے۔ آپ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے.....“<sup>24</sup>  
ابھر آئے گی کشتی بجر غم سے ڈوب کر بے خود  
غلامی کا شرف حاصل ہے مجھ کو شاہِ جیلاں کا

-----

بے خود تو اپنے وقت کا منصور بن گیا  
آتا ہے ایک رنگ نظر حال و قال کا

-----

مندر میں تیرا ذکر تھا مسجد میں تیری یاد  
غافل کبھی نہ تجھ سے رہے ہم جہاں رہے<sup>25</sup>

-----

ہر سمت روشنی سی پھیلی ہوئی ہے کیسی  
پردے سے جلوہ افکن کس کا رخ نکو ہے  
آئینہ میں ہویدا ہے عکس آئینے کا  
میں اس کے روبرو ہوں وہ میرے روبرو ہے  
عصیاں پسند مجھ سا آمر زگار تجھ سا  
دنیا میں میں ہی میں ہوں عقبی میں تو ہی تو ہے  
بے خود شرابِ پینی عادت نہیں ہے تیری  
ہم تجھ کو جانتے ہیں مستِ الست تو ہے  
تعریف کیا ہو تیری خواجہ حسن نظامی

### خمریات

سابق کلاسیکی شعراء کی طرح بے خود کے ہاں بھی خمریات پر اظہار خیال ملتا ہے۔ وہ اگرچہ تائب ہو چکے تھے تاہم شعر و شاعری کی حد تک انہوں نے یہ موضوع اس حد تک نبھایا ہے کہ اُن کی بیش تر غزلیات کے مقطعات خمریات کے عکاس ہیں۔ چند امثلاً دیکھیے:

بے خود کے لب بھی تر نہ ہوئے مے سے عمر بھر  
آلودہ شراب گریبان ہی رہا

-----

شرابِ عشق سے مدہوش رہتا ہوں مگر بے خود  
فرشتہ بھی تو چھو سکتا نہیں ہے بے وضو مجھ کو

-----

بے خود ستم شراب میں رکھ کر غزل یہ آپ  
لاہور بھیج دیجیے یکتا کے واسطے  
میں وہ شراب خوار ہوں آتی ہے کھنچ کے روز  
کوثر کی موج ساغر و مینا کے واسطے<sup>27</sup>  
شراب شیشے میں بھر کر کہا یہ ساتی نے  
ابھی ہے حضرت بے خود کا انتظار مجھے<sup>28</sup>

### شوخی و ظرافت

بے خود دہلوی کے کلام میں شوخی و ظرافت کا عنصر جا بجا کار فرما دکھائی دیتا ہے۔ غالب، مومن اور داغ کے ہاں اس موضوع کو جس عمدگی سے برتا گیا ہے، بے خود بھی ان استاد شعراء کے نقش قدم پر چلتے دکھائی دیتے ہیں:

نوگر قمار محبت ہوں وفا مجھ میں کہاں  
کم سے کم دل ابھی سو بار تو آنے دیجیے

-----

جھوٹا جو کہا میں نے تو شرما کے وہ بولے  
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

-----

بات وہ کہیے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں  
کوئی پہلو تو رہے بات بدلنے کے لیے

-----

مانگئے آپ نہ پہلی ہی ملاقات میں دل  
مجھ کو معلوم تو ہو آپ کی عادت کیا ہے<sup>29</sup>

### نزاکت بیان

نزاکت بیان کلاسیکی شعری طرزِ بیاں کا خاصا ہے۔ بے خود نے متقدمین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نزاکتِ بیاں کے بے حد عمدہ نمونے پیش کیے ہیں:

چو ٹیں چلیں گی خوب برابر کی جوڑ ہے  
تو ہے اد اشناں تو میں ہوں ادا پسند  
رکھ دیں گے آئینہ کے برابر ہم اپنا دل  
یا تو یہ ناپسند ہو ان کو یا پسند

اس کو نفرت کہوں شوخی کہوں یا شرم کہوں  
میری تصویر سے بھی ان کو حجاب آتا ہے

ہو گئی مقبول اس کو کیا کروں  
جو دعاما گئی بتوں کے نام سے

عاشق کی ہر لباس میں مٹی خراب ہے  
آئینہ دل کا صورت چشم پر آب ہے<sup>30</sup>

### دہلویت

بے خود کی شاعری میں دہلویت کی عکاسی خوب ملتی ہے۔ عام خیال کی سلیقے سے بندش بے خود دہلوی کا خاصا ہے۔ محمد یحییٰ تنہا نے مرآة الشعراء میں بے خود کی اسی خصوصیت کو بے حد سراہا ہے:

”آپ کی غزلیں پڑھ کر دہلی کی زبان کا لطف آجاتا ہے۔ خیالات تو بہت معمولی ہیں لیکن ان کو سلیقے سے باندھ دیا گیا ہے۔ اپنے استاد کے قدم بقدم چلتے ہیں۔ داغ کے یہاں مضامین نو کی بھی افراط ہے۔ حضرت بے خود صرف زبان کے اشعار پر فخر کر سکتے ہیں لیکن بعض جگہ آپ نے کچھ الفاظ ایسے بھی استعمال کیے ہیں جو ہمارے روزمرہ کے خلاف ہیں۔“<sup>31</sup>

سادگی ایک زمانے کو تماشاً ہو جائے  
بانگین کی بھی اگر اس میں کوئی شان رہے<sup>32</sup>

وہ زہر کھائے بیٹھا ہے بدنام ہو گئے تم

دشمن کو آج پان نہ دینا بنے ہوئے

-----

کیوں غریبوں کے گھروں میں نہ جلیں گھی کے چراغ  
یہ تو ادنیٰ سی ہے تاثیر ربیع الثانی<sup>33</sup>

خودداری و استغنا

کلاسیکی شعری روایت میں خودداری و استغنا کے عناصر جا بجا ملتے ہیں۔ میر، غالب اور درد کے ہاں یہ عنصر اپنی جولانی کو پہنچا ہوا ہے۔ بے خود نے بھی پیروی متقدمین میں عمدہ جواہر پارے اہل فن کی نذر کیے ہیں:  
ہم کو نہیں ہے تجھ سے ضرورت سوال کی  
خود منہ سے بولتی ہے تمنا وصال کی

-----

مٹادی جس نے تمنا وہ کامیاب رہا  
مٹایا جس نے خودی کو وہ کامیاب گیا<sup>34</sup>

-----

تری جفانے تجھے دی غرور کی تعلیم  
مری وفانے سکھایا ہے انکسار مجھے<sup>35</sup>

بے ثباتی دنیا

بے ثباتی دنیا پر اظہار خیال کلام بے خود کا خاصا ہے۔ کلاسیکی طرزِ ادا میں اس موضوع پر تقریباً ہر بڑے شاعر نے اظہار خیال کیا ہے۔ بے خود نے بھی روش متقدمین پر چلتے ہوئے بے ثباتی دنیا کے موضوع کو نہایت عمدگی سے شعری لباس پہنایا ہے:  
بیمارِ محبت کے لیے موت شفا ہے  
نسخہ یہ اڑایا ہے مسیحا کے مطب سے

-----

جواہر میں رنگ تھے وہ انتہا میں ہیں  
تفریق عشق میں نہیں ماضی و حال کی<sup>36</sup>

-----

جیتے جی سیکھ لیا میں نے فنا ہو جانا  
یہ مرا جسم نہیں یہ تو ہے مدفن میرا<sup>37</sup>

سادگی و پرکاری

سادگی و پرکاری کا عنصر سخن گوئی میں تاثیر پیدا کرتا ہے۔ کلام بے خود اس لحاظ سے منفرد ہے کہ انھوں نے رنگ استاد کو خوب نبھایا ہے:

و صل ہو ہجر ہو شادی ہو الم ہو غم ہو  
چار دن سے نہ سوا کوئی بھی حالت ٹھہری

-----  
تھمیں سے کرتے ہیں شکوہ تمہارا  
یہ شیوہ ہم نے سیکھا ہے تھمیں سے

-----  
میں بے وفا ہوں اور وفادار آپ ہیں  
کیا سچ کہا ہے آپ کے قربان جائے

-----  
کیوں قسم کھاتے ہو میری جان کی  
جانتے ہو کون میری جان ہے<sup>38</sup>

-----  
کانوں کو مزادیتا افسانہ محبت کا  
کچھ ہم سے سنا ہوتا کچھ تم نے کہا ہوتا<sup>39</sup>

#### تشبیہات و استعارات

شاعری میں تاثیر اور حسن بیان کے لیے صنائع لفظی و معنوی کا استعمال ناگزیر ہے۔ کلام بے خود میں تشبیہات و استعارات کا بے ساختہ استعمال ملتا ہے۔ مثلاً دیکھیے:

دیکھ کر بے خود دین دار کو کہتے ہیں صنم  
رام ہو گا یہ مسلمان بڑی مشکل سے

-----  
وعدہ کی شب مرے گھر تک وہ مچلتے آئے  
سو جگہ راہ میں چل چل کے قیامت ٹھہری

-----  
ہوا تھا مجھ سے کیا وعدہ ابھی نظروں ہی نظروں میں  
تجھے کچھ یاد بھی اے زرگس مستانہ رہتا ہے<sup>40</sup>

#### تلمیحات

کلاسیکی رنگِ سخن اختیار کرنے والے شعراء تلمیحات کے استعمال سے اپنے کلام کو جان دار بناتے ہیں۔ جہاں تلمیحات قصہ ماضی کو ایک نظر میں اہل فن کے سامنے پیش کرتی ہیں وہیں یہ شاعر کے زور کلام کی آئینہ دار بھی ہوتی ہیں:  
پریاں نجل ہیں یوسف کنعان کے سامنے

سب کے چراغ گل ہوئے انساں کے سامنے  
یوسف کی قید خوب زلیخا کو آئی راس  
رہ کر جواں ہوئی در زنداں کے سامنے<sup>41</sup>

### رعایت لفظی

کلام بے خود کے مطالعے سے صنائع بدائع کا محتاط استعمال آشکار ہوتا ہے۔ رعایت لفظی کے استعمال میں ان کے یہاں فطری پن جھلکتا دکھائی دیتا ہے:

انک انک کے بڑی مشکلوں سے دم نکلا  
گلا بھی خشک تھا خنجر بھی آب دار نہ تھا

-----

نزاکت کا نیا پہلو ہے گونگے بن کے بیٹھے ہیں  
زباں کو کیوں تھکائیں بات کرتے ہیں اشاروں سے<sup>42</sup>

### تکرار لفظی

شاعری میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے کلاسیکی شعراء چند حروف یا الفاظ کو بہ تکرار پیش کرتے ہیں۔ جہاں یہ عمل تاثیر کلام کے لیے ناگزیر ہے وہیں حسن کلام کا آئینہ دار بھی ہے:

بے خود ہی رہا بے خود جب تک کہ جیا بے خود  
ساتی نے خدا جانے کیا چیز پلائی تھی

-----

چراخ اچھا ہے، تم اچھے ہو، رقیب اچھا ہے  
اک بری سب میں ہماری ہی تو قسمت ٹھیری<sup>43</sup>

### آبروئے اردو

بے خود دہلوی کو آبروئے اردو کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ انھوں نے اپنے دیوان میں اردو ردیف پر مشتمل ایک غزل (مشاعرۂ اردو کانفرنس منعقدہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء) پیش کی ہے جس میں انھوں نے کالمین فن کے تخلص پیش کرتے ہوئے اردو زبان کے نام و در شعراء کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مذکورہ غزل کے علاوہ انھوں نے فرداً فرداً بھی اس موضوع کو پیش کیا ہے:

مجھ تک آئی ہے یہ کہنے کو زبانِ اردو  
مٹ نہ جائے کہیں دنیا سے نشانِ اردو  
میر و مرزائے رہے مومن و غالب نہ رہے  
ان کے دم سے تھی گراں مایہ دکانِ اردو  
اب کہاں ذوق کہاں داغ کہاں میر انیس

جاننے تھے انھیں سب روح وروانِ اردو  
 ناسخ و آتش و انشاء و امیر و راسخ  
 ان سے مشہور ہو نام و نشانِ اردو  
 حالی و سالک و مجروح و ظہیر و انور  
 ان کو کہتا تھا زمانہ ہمہ دانِ اردو  
 طالب و احسن و اقبال و ریاض و ثاقب  
 ان کے دم سے ہے فقط شوکت و شانِ اردو  
 اکبر و ثروت و نیرنگ و صفی و تاباں  
 ناز کرتی ہے انھی پر تو زبانِ اردو  
 حسرت و حشر و زلالی و بیان و کشتہ  
 ختم ہے ان کی زبانوں پہ بیانِ اردو  
 ساحر و بزم و عطا کیف و جلیل و مضطر  
 ان کے ہاتھوں میں ہے اس وقت عنانِ اردو  
 اب کون ہے باقی کہ سراہیں جس کو  
 ایک بے خود ہے تو وہ پچھد انِ اردو

-----

تجھی سے زندہ ہے اس وقت نامِ اردو کا  
 تری زبان کا ایک ایک لفظ جان سخن<sup>44</sup>

#### خلاصہ بحث

بے خود دہلوی حقیقتاً اردو زبان کے بہت بڑے خادم تھے۔ انھوں نے اپنے کلام بالخصوص غزلیات کو توسط سے کلاسیکی شعری روایت کا احیاء کیا ہے۔ وہ اس عمل میں متقدمین کے پیرو اور طرز نو کے موجد ٹھہرتے ہیں۔ انھوں نے تمام عمر شعر و ادب کی خدمت میں بسر کی۔ انھوں نے حالی اور داغ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور حق شاگردی ادا کر دیا۔ ان کی شاعری کلاسیکی طرزِ اداء، سادگی و پرکاری، حسن و عشق، تصوف، خودداری و استغناء، نزاکتِ بیاں، شوخی و ظرافت اور بے ثباتی دنیا جیسے اہم لوازم سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ وہ صحیح معنوں میں وحید العصر اور آبروئے اردو کہلانے کے مستحق ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی شاعری دہلوی رنگِ سخن کی عکاس اور کلاسیکی طرزِ اداء کی حامل ہے۔

#### References

- <sup>1</sup> Muhammad Yahyā Tanhā, *Mirat-us-Shoarā*, Sheikh Mubarak Ali and Sons, (Lahore 1922AD), P. 368-
- <sup>2</sup> As`ad Badayonī, *Dāgh kē Aham Talamza*, Educational Publishing House, (Dehli 1986 AD), P.52-

- <sup>3</sup> Shahid Ahmed Dehlavī, *Chand Adbī Shakhsiyaten*, Hindustami Academy, (Alah Abād 2003AD) p.59-
- <sup>4</sup> Afzal Haq Kāmil Qureshī, *Asrar-e-Bēkhūd*, Mah Kamil publications, (Dehlī 1980AD), p.28-
- <sup>5</sup> Ahsan Marahravī, Sayed Alī Ahsan (eds.) *Insha-e-Dāgh*, Anjuman-e-Taraqī-e-Urdu (Hind), (Dehli 1941AD), P.95-
- <sup>6</sup> Ahsan Marahravī, Sayed Alī Ahsan (eds.), *Insha-e-Dāgh*, p.96-
- <sup>7</sup> Ahsan Marahravī, Sayed Alī Ahsan (eds.), *Insha-e-Dāgh*, p.97-
- <sup>8</sup> Ahsan Marahravī, Sayed Alī Ahsan (eds.), *Insha-e-Dāgh*, p.97-
- <sup>9</sup> Shahid Ahmed Dehlavī, *chand Adbī Shakhsiyaten*, p. 54-
- <sup>10</sup> Azeem Akhtar, *Bēswēn Sadī Ke Shoarā-e-Dehli*, (vol-I) Urdū Academy (Dehlī 2005AD) P.40-41-
- <sup>11</sup> Shahid Ahmed Dehlavī, *Chand Adbī Shakhsiyaten*, p.50-
- <sup>12</sup> Afzal Haq Kamil Qureshī, *Asrār-e-Bē Khud*, p. 38-
- <sup>13</sup> Afzal Haq Kamil Qureshī, *Asrār-e-Bē Khud*, p.39-
- <sup>14</sup> Afzal Haq Kamil Qureshī, *Asrār-e-Bē Khud*, p.44-
- <sup>15</sup> Afzal Haq Kamil Qureshī, *Asrār-e-Bē Khud*, p.45-
- <sup>16</sup> Afzal Haq Kamil Qureshī, *Asrār-e-Bē Khud*, p.46-
- <sup>17</sup> Bē Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, Dehlī printing works, (Dehli 1930AD) p.192-
- <sup>18</sup> Bē Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, p.52-
- <sup>19</sup> With refrence Afzal Haq Kamil Qureshī, *Asrar-e-Be Khud*, p. 52-
- <sup>20</sup> Bē Khud Dehlavī, *Guftār-e-Bēkhud*, Alī Garh Barqī press, (Dehli 1938 AD) p.24-
- <sup>21</sup> Lalā Siri Rām, *Khum Khana-e-Javēd*, Munshī Naval Kishore (Lakhnow 1908AD), p.655-
- <sup>22</sup> Abd-us-Salām Nadvī, *Sher-ul-Hind*, (vol.I), Dar-ul-Musanafeen, Shibli Academy, (Aāzam Garh 2009AD), p.320-
- <sup>23</sup> Bē Khud Dehlavī, *Guftār-e-Bēkhud*, p 3-5,20-
- <sup>24</sup> Nazeer Ludhyanvī, *Tazkira-e-Shoara-e-Urdu*, (vol-I), Ishrat Publishing House (Lahore, 1953AD) p.214-
- <sup>25</sup> Bē Khud Dehlavī, *Guftār-e-Bē Khud*, p.19,3,246-
- <sup>26</sup> Bē Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, p.94-95-
- <sup>27</sup> Bē Khud Dehlavī, *Guftār-e-Bē Khud*, p. 5,11, 13,14-
- <sup>28</sup> Bē Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, p.127-
- <sup>29</sup> Bē Khud Dehlavī, *Guftār-e-Bē Khud*, p. 247-249, 251-
- <sup>30</sup> Bē Khud Dehlavī, *Guftār-e-Bē Khud*, p.86, 206, 210-
- <sup>31</sup> Muhammad Yahyā Tanhā, *Mirat-us-Shoarā*, p. 369-
- <sup>32</sup> Be Khud Dehlavī, *Guftār-e-Be Khud*, p.243-
- <sup>33</sup> Muhammad Yahyā Tanhā, *Mirat-us-Shoara*, p. 89,93-
- <sup>34</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Be Khud*, p.285-
- <sup>35</sup> Be Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, P.23,127-
- <sup>36</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p.284,288-
- <sup>37</sup> Be Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, P.9-
- <sup>38</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p.238,244-
- <sup>39</sup> Be Khud Dehlavī, *Durr-e-Shahwār*, P.22-
- <sup>40</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p.236,238, 239-
- <sup>41</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p.15, 16-
- <sup>42</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p.13, 234-
- <sup>43</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p.17,237-
- <sup>44</sup> Be Khud Dehlavī, *Gufiār-e-Bē Khud*, p. 78, 79, 137-